ایک یادگار مشاعرہ

مرتب

ڈاکٹر امجد ثاقب

کتاب کا نام	ایک یادگار مشاعرہ
ناشر	جبران علی
کتابت	وسیم اصغر
تصاویر	مشتاق ناصر۔ڈاکٹر سرفراز علی
سرورق	ساجد قریشی
تزئین	ایاز علی
سنِ اشاعت	2014
پرنٹر	محمود کمبوہ پرنٹر
قیمت	400روپے
بیرونِ ملک	10ڈالر
ایڈیشن	پہلا:(1993)،دوسرا:(2014)
ملنے کا پتہ	1۔ 19، سوک سنٹر، سیکٹر A-2، ٹاؤن شپ لاہور نزد ہمدرد چوک، کوٹ لکھپت انڈسٹریل ایریا، یا
	2 ۔ مکان نمبر 382، بلاک 15، سیکٹر بی ون، ٹاؤن شپ لاہور
	فون:042-35122743 ای میل:info@akhuwat.org.p
	www.akhuwat.org.pk

Distributors for Pakistan

Sang-e-Meel Publication

25 - Lower Mall (Shahrah-e-Pakistan) Lahore,

Ph: +92 42 37220100, 37228143

Email: smp@sangemeel.co

انتساب

والدہ محترمہ اور والد محترم کے نام

جن کی دعائے نیم شب اور آہِ صبح گاہی

سرمایہ حیات ہے

ترتیب

۱ ——— حرفِ چند	9
۲ ——— تاثرات	11
۳ ——— اخباری تراشے	23
۴ ——— خطبہ استقبالیہ	37
۵ ——— حسن کلام	51
۶ ——— حاصل مشاعرہ	95
۷ ——— چند تصویر بتاں	

حرفِ چند

ڈاکٹر امجد ثاقب تعلیم کے لحاظ سے طبیب ہیں۔ تاہم پیشے کے اعتبار سے وہ ضلعی انتظامی گروپ (ڈی۔ایم۔جی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت ذہین اور باصلاحیت انسان ہیں۔اچھی بات یہ ہے کہ وہ فنون لطیفہ کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور شعر و ادب کے دل دادہ ہیں۔ چنیوٹ میں اپنی تعیناتی کے دوران انہوں نے معروف منتظم اور شاعر محمد اطہر طاہر کی قیادت میں عمر حیات لائبریری قائم کی۔علاوہ ازیں انہوں نے شہر کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کو بھی تیز تر کیا۔

اس ضمن میں اہل ذوق اس مشاعرے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے جو ڈاکٹر امجد ثاقب نے گزشتہ موسم گرما کی ایک چاندنی رات میں دریائے چناب کے کنارے منعقد کرایا۔اس مشاعرے کی صدارت دنیائے اردو کے معروف ترین شاعر اور مصنف احمد ندیم قاسمی نے کی جبکہ اس میں شریک ہونے والے شعراء میں جعفر شیرازی، شہزاد احمد، روحی کنجاہی، امجد اسلام امجد، خالد احمد، عطاالحق قاسمی، شبنم شکیل، ریاض مجید، یاسمین حمید اور دیگر شامل تھے۔ اس مشاعرے کا انتظام وانصرام ڈاکٹر امجد ثاقب کے ذوق جمال کی عکاسی کرتا تھا۔

مشاعرہ ایک قدیم روایت ہے۔ یہ شعراء کو شعر و ادب کے قاری سے براہِ راست روشناس ہی نہیں کراتا بلکہ ان کے ادبی مذاق کی تہذیب و تسکین کا باعث بھی بنتا ہے۔مشاعروں اور ادبی مجالس کے انعقاد سے کسی علاقے کا ادبی وثقافتی تشخص ابھرتا ہے اور وہاں کے باسیوں کے زاویہ فکر میں ایک مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے جو اس مادی دور میں از بسکہ ضروری ہے۔

ڈاکٹر امجد ثاقب نے چنیوٹ کے یادگار مشاعرے کو کتابی شکل میں شائع کر کے ادب کی گراں قدر

خدمت انجام دی ہے۔قارئین ادب نے ادب کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں ان سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔امید ہے آنے والے دنوں میں وہ اپنے قدردانوں کو مایوس نہیں کریں گے۔

محمد افسر ساجد

تاثرات

☆ احمد ندیم قاسمی

☆ امجد اسلام امجد

☆ شہزاد احمد

☆ جعفر شیرازی

☆ افسر ساجد

زندگی میں بے شمار مشاعروں میں شرکت کا موقع ملا ہے' ۳۰ مئی ۱۹۹۱ء کو چنیوٹ میں دریائے چناب کے کنارے منعقد ہونے والا مشاعرہ میری یادداشت میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جس خوش اسلوبی سے اس مشاعرے کو منتظمین کرام نے سجایا' سنوارا وہ ہر لحاظ سے لائق تحسین ہے۔ اتنا پر فضا مشاعرہ پاکستان میں شاید ہی کبھی منعقد ہوا ہو۔

احمد ندیم قاسمی

یہ مشاعرہ اس لحاظ سے انوکھا تھا کہ اسے ایک کل کے طور پر Conceive کرنے کی کوشش کی گئی تھیا۔ ایک نیا نامیاتی کل بنایا گیا تھا۔ دریا کا کنارہ' مغل روایتی فضا' سائے' روشنی کا اہتمام اور کئی دوسرے عناصر مل ملا کر ایک الگ اور سحر کی سی فضا پیدا کر رہے تھے۔ اس Illusion کو آگے چلانے کی ضرورت ہے۔ یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم تمام روایتی عناصر کو ان کی روایتی شکل میں قبول کریں۔ تجربات کیے جانے چاہئیں خواہ وہ کیسے ہی عجیب کیوں نہ نظر آئیں۔

شہزاد احمد

چنیوٹ کا یہ مشاعرہ اس اعتبار سے ایک بہت انوکھا اور خوب صورت واقعہ ہے کہ بطور شاعر ایسی محفلیں زندگی میں بہت کم میسر آتی ہیں۔ یہ تقریب حسن ترتیب اور جمالیات کا ایک دل کش مرقع تھی۔ جس سلیقے اور محنت سے منتظمین نے ایک ماحول پیدا کیا اس کی یاد مدتوں ہمارے ساتھ رہے گی۔ ڈاکٹر امجد ثاقب کی مہمان نوازی اس سب پہ مستزاد ہے۔

امجد اسلام امجد

شاہانِ مغلیہ کے دور کا مشاعرہ

جی چاہتا ہے کہ آپ کو اتنا شاندار اور خوبصورت مشاعرہ منعقد کرنے کی مبارک دوں۔ ڈاکٹر صاحب باخدا یہ بات میں دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کے خلوص اور پرکشش شخصیت نے تو مسحور کیا ہی تھا لیکن مشاعرے کے انتظامات، نظم ونسق میں حسن انتظام، مشاعرے کے لئے جگہ کا انتخاب، سامعین کا ادبی مزاج اور منتظمین مشاعرہ کی حسن کارکردگی سب کچھ جادوئی کیفیت کے حامل تھے۔ میں نے بےشمار کل پاکستان، آل انڈیا مشاعرے پڑھے ہیں۔لیکن دو مشاعرے میری زندگی کی یادگار ہیں۔ ایک مشاعرہ انبالہ میں ۱۹۸۲ء میں پڑھا تھا۔ ہزاروں سامعین دادوتحسین میں زمین وآسمان ایک کررہے ہیں۔لاکھوں، ہزاروں کے مجمعے میں ایک سامع کو بھی ہوٹ کرتے نہیں سنا! یہی عالم چینوٹ کے مشاعرہ کا تھا۔اس کی خوب صورتی اپنی جگہ لیکن سامعین کا سکون کے ساتھ شعرا کا کلام سننا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ ان سامعین میں آپ کی خوب صورت شخصیت، حسن انتظام اور نظم وضبط منعکس تھے۔ خدا جانتا ہے اس میں ذرہ بھر تصنع نہیں۔ سب شعرا کی رائے بالکل میرے ساتھ ملتی ہے۔ہم نے تادیر آپ کے مشاعرے کی تعریف کی انہی دنوں عالمی مشاعروں میں بھی شرکت کی لیکن اتنا لطف کہیں نہیں آیا۔آپ کا مشاعرہ شاہان مغلیہ کے دور کے مشاعروں کی یادتازہ کرتا ہے کنارِ دریا پر یہ مشاعرہ سحر کی سی کیفیت کا حامل تھا۔ اتنے اچھے سامعین میں نے آج تک نہیں دیکھے (سوائے انبالہ کے) یہ اگر آپ کی زندگی کا پہلا مشاعرہ تھا تو آگے کیا ہوگا۔ میں کہتا ہوں۔ادب کی خدمت میں آپ کا یہ کارنامہ برسوں یادگار رہے گا۔خدا کرے آپ بلندی درجات کی صورت میں بھی ادب کو پروان چڑھانے میں اسی طرح صدق دل سے کوشش کرتے رہیں۔

جعفر شیرازی

لبِ دریا' شب مہتاب

مشاعرہ عمدہ تھا۔ انتظامات کی Logistics آپ کے ذوق سلیم کی عکاسی کرتی تھیں۔ شاعروں کی دیکھ بھال میں بھی آپ نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوصف ذاتی دل چسپی لی۔ سامعین کرام متعدد ہونے کے علاوہ Responsive بھی تھے۔ منظر شب مشاعرہ بھی نہایت دل فریب تھا' دریا کا لب اور مہتابی شب!

آپ کی تقریر (سپاس نامہ) مشاعرہ کی شعری ساختیات ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ نپی تلی' جامع اور سلیس! جناب محمد اطہر طاہر کی تقریب میں موجودگی ان کے ادیب ہونے اور ادبی سرگرمیوں کا نقیب ہونے کا برملا اظہار کر رہی تھی۔

محمد افسر ساجد

اخباری تراشے

نوائے وقت

پاکستان

امروز

مساوات

THE NATION

چودھویں رات کا چاند
دریا کا کنارہ اور شاعری کی خوشبو

زندگی میں ہزاروں مشاعرے پڑھے ہیں لیکن ایک مشاعرہ جو ہمیشہ یاد رہے گا وہ چنیوٹ کا مشاعرہ ہے۔ منتظمین روایت اور نفاست کے عاشق لگتے تھے چنانچہ انہوں نے ان دونوں چیزوں کی پاسداری کے لئے باقی تیاریوں کے علاوہ چودہ دن تو صرف چودھویں رات کے چاند کا انتظار کیا اور جب چودھویں کا چاند بام پر آیا تو انہوں نے دریائے چناب کے کنارے کو مشاعرے کے لئے منتخب کیا۔ شعراً کو ایک سیکڑوں برس پرانے برگد کے درخت تلے بچھی چاندنیوں اور پھولوں کی سٹیج پر بٹھایا۔ ان کی خدمت میں مغلیہ دور کے لباس میں ملبوس خدام ادب مامور کئے جو پیچھے کھڑے مورچھل سے انھیں ہوا دیتے رہے۔ رات کے سناٹے میں دریائے چناب کی پرسکون موجوں میں ایک کشتی لنگر انداز تھی۔ جب سٹیج سے کسی شاعر کا نام پکارا جاتا اس کے ساتھ ہی اس کے نام کی ایک شمع کشتی میں فروزاں کر دی جاتی اور یوں وہ کشتی مشاعرے کے اختتام تک ان بڑے ناموں سے جھلملاتی رہی!

اور قارئین کرام! آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس قدر خوش ذوقی کا مظاہرہ چنیوٹ پولیس اور انتظامیہ کی طرف سے کیا گیا کہ یہ مظاہرہ پولیس اور انتظامیہ کے تعاون سے منعقد ہوا تھا۔ چنیوٹ کے اسسٹنٹ کمشنر محمد امجد ثاقب مشاعرے کے آغاز میں ہر شاعر کو ہار پہناتے تھے اور ڈپٹی کمشنر محمد اطہر طاہر شاعر کو خوش آمدید کہتے تھے۔ ڈاکٹر امجد ثاقب نے مشاعرے کے آغاز میں جو خطبہ استقبالیہ پڑھا' شعراً کو اس خطبے کی ادبی لطافتوں سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ غیروں کے نہیں اپنوں ہی کے مہمان ہیں اور جب یار لوگوں نے اپنے معظم بن ظہور کو بھی شعراً کے اردگرد منڈلاتے

اور انتظامات میں مشغول دیکھا تو ان پر یہ بھید بھی کھلا کہ پولیس اور انتظامیہ کو ''راستہ دسن والے تارے'' کون ہیں؟

مشاعرے کی نظامت ڈاکٹر اجمل نیازی کے سپرد تھی جنہیں اگر منڈیوں کے بھاؤ بتانے پر بھی مامور کر دیا جائے تو وہ اسے تخلیقی رنگ دے دیتے ہیں۔ اجمل نیازی نے نظامت کو بھی یہاں پڑھی جانے والی غزلوں اور نظموں کا جز و بنا دیا۔ شعرا میں حضرت احمد ندیم قاسمی سے ''عطا الحق قاسمی'' تک موجود تھے۔ سامعین کا یہ عالم تھا کہ لگتا تھا وہ مشاعرہ سننے کے علاوہ مشاعرہ ''سنانے'' کے لئے بھی یہاں جمع ہیں۔ چنانچہ پہلے شاعر سے لے کر آخری شاعر تک انھوں نے اتنے انہماک' توجہ اور خوش ذوقی سے سنا کہ اگر بہترین سامعین کی ٹرافی دینے کی روایت ہو تو یہ ٹرافی بغیر کسی تامل کے اہالیان چنیوٹ کو دی جا سکتی ہے!

مشاعرے کے آغاز سے قبل ڈاکٹر امجد ثاقب اپنے رفقاء کی معیت میں شعراء کو عمر حیات محل لے گئے جو چنیوٹ کے ایک محلے میں واقع ہے۔ عمر حیات کون تھا' یہ محل کیا چیز ہے؟ اس پر میں کسی علیحدہ کالم میں اظہارِ خیال کروں گا۔ یہاں صرف اتنا بتانا ضروری ہے کہ عمر حیات محل ایک انتہائی خوب صورت عمارت ہے۔ جو ۱۹۳۰ء میں تعمیر کی گئی تھی اور اس کے مالکان کی وفات کے بعد وہاں عمر حیات کے ملازمین قابض ہو گئے تھے۔ جناب محمد طاہر اطہر کی نظر اس ثقافتی ورثے پر پڑی تو انھوں نے دن رات ایک کر کے اس عمارت کی پرانی عظمت بحال کی۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت لائبریری بنائی اور اب یہ محل چنیوٹ کی ایک ایسی عمارت ہے جس پر چنیوٹ والے بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

مشاعرے میں اپنی باری بھگتانے کے بعد میں' ریاض مجید' امجد اسلام امجد اور ایوب خاور دریا میں

لنگر انداز اس کشتی میں آ کر بیٹھ گئے جہاں شعرائے کے ناموں کی شمعیں جھلملا رہی تھی۔ چودھویں رات کا چاند، دریا کا کنارہ اور صدیوں پرانا شہر، مجھے لگا جیسے یہ زمین ساکت ہوگئی ہے اور صرف لطافتیں سفر میں ہیں لیکن یاسمین حمید اور   ڈاکٹر حمید کے ساتھ پرشور سڑکوں پر سے واپس لاہور جاتے ہوئے جگہ جگہ بکھرے غربت اور افلاس کے مناظر نے مجھے واپس ان دنیاؤں میں بھیج دیا جن سے آنکھیں چرانے کے لئے ہم شب ماہ تاب اور لب دریا کی تلاش میں نکلتے ہیں!

عطاالحق قاسمی

(روزنامہ نوائے وقت ۱۳ جون ۱۹۹۱ء)

چناب کے کنارے ایک مشاعرہ

مشاعرے اب ہماری تہذیبی وثقافتی زندگی کا ایک لازمی جزو بنتے جارہے ہے۔اس ادبی سرگرمی میں لوگوں کی دل چسپی ذوق وشوق کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔ پورے کا پورا گھرانہ سامعین بن جاتا ہے۔عورتوں کی گود میں چھوٹے بچے بھی داد دینے والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔گزشتہ مہینے میں کراچی تو مشاعروں کا گڑھ بنا رہا۔ پاکستان کے علاوہ بھارت سے بھی بے شمار شعرأ اور شاعرات آئی ہوئی تھیں۔چین کے شاعر چانگ شی شوآن نے کراچی اور دوسری جگہوں پر مشاعروں میں شریک ہوکران تقریبات کوعالمی بنادیا۔

کئی مشاعرے اذان فجر تک جاری رہے۔مگر نہ شعرا تھکے اور نہ سامعین کو نیند آئی۔ضلعی انتظامیہ اور پولیس اب مشاعروں کو اپنا فنکشن سمجھتی ہے۔اب سیاسی میدان کے لوگ بھی اسی راہ پر نکل آئے ہیں۔ ملتان کے مشاعرے کی صدارت وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں نے کی اور صبح کا ذب تک سٹیج پر بیٹھے رہے اور داد بھی دی۔میاں چنوں کے مشاعرے کی صدارت چیئرمین سینٹ وسیم سجاد نے کی اور موسلا دار بارش کے باوجود صدارت کرتے رہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سینٹ کے اجلاس کے دوران کوئی بحران انھیں پریشان نہیں کرسکتا۔ یہاں انہیں وائیں صاحب کی رفاقت بھی حاصل تھی۔وائیں صاحب کی امداد کے لئے مختار ترابی موجود تھے۔یہ لوگوں کی مشاعروں سے دوستی کا اعلان تھا کہ کوئی بھی آدمی تقریب سے بھاگ کر نہ گیا۔سامعین میں قلندرانہ ادا والے صوبائی وزیر چودھری محمد اقبال اور صاحب دل سیکرٹری اطلاعات طارق محمود صاحب بھی موجود تھے،بہاول پور کا مشاعرہ بھی یادرہ جانے والی تقریب تھی۔ یہاں مرتضٰی برلاس سٹیج پر تھے اور انھیں مشاعروں کا بڑا وسیع تجربہ ہے، مرتضٰی برلاس کو منور جمیل قریشی کی خدمات

حاصل تھیں۔ ملتان میں سید شوکت علی مشاعرے کا مرکزی نقطہ تھے۔اس کے ارد گرد دائرہ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بنایا۔ فیصل آباد کا مشاعرہ چناب کلب میں تھا۔یہاں کوئی افسر نظر نہ آیا۔مگر کلب کے ممبران اتنے سیٹھ ہیں کہ افسران سے کم نہیں۔مشاعروں کے ذوق میں بھی شان افسرانہ رکھتے ہیں۔ یہاں ایک مخلص انسان معظم بن ظہور مروتوں اور محبتوں کا پیکر ہے۔ اعجاز کنور راجہ بھی مشاعرے کے لئے بے تاب رہتا ہے۔

دریائے چناب کے کنارے مشاعرے میں بھی معظم بن ظہور کی خواہشوں کی ایک جھلک نمایاں تھی اس مشاعرے کی صدارت ڈپٹی کمشنر جھنگ محمد اطہر طاہر نے کی۔ انھوں نے اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ کے تعاون سے ایک اجڑے ہوئے عمر حیات محل کو پڑھنے لکھنے سے دل چسپی رکھنے والوں کا محلّہ بنادیا۔وہاں اب ایک شان دار لائبریری ہے۔ ہر مشاعرے میں کمشنر ڈپٹی کمشنر یا اسسٹنٹ کمشنر نے تقریر کی۔ جس نے سامعین کے علاوہ شعرا کو بھی بے حد متاثر کیا۔ مرتضٰی برلاس' سید شوکت علی انور غازی' ڈاکٹر امجد ثاقب اور محمد اطہر طاہر نے مختلف مشاعروں میں خطاب کیا اور دانش ورانہ اسلوب کے ساتھ ادیبانہ اور شاعرانہ انداز بھی اختیار کیا۔کسی مشاعرے کے انتظام وانصرام چلانے کے لئے تخلیقی صلاحیتوں کو آزما کر یادگار کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔مزاحیہ شاعری دلوں میں ایک کشادگی پیدا کر دیتی ہے۔ میرے خیال میں مشاعرے ایک صحت مند ماحول قائم کرنے میں بڑے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

کنارِ چناب مشاعرے کے اس موقع پر نجیب احمد کا یہ شعر عجب لطف دے گیا۔

کھلنڈر سا کوئی بچہ ہے دریا
سمندر تک اچھلتا جا رہا ہے

جب میزبان مشاعرہ نے احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر پڑھا تو پورے ماحول پر ایک وارفتگی چھا گئی۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا

میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

برگد کے بوڑھے درخت کی ٹہنیوں سے برستی روشنیوں کے نیچے بنائے ہوئے سٹیج پر بیٹھے ہوئے شاعروں کو دریائے چناب اپنا ہم سفر لگ رہا تھا اور سامعین ان کے ہم راز۔ ہر شخص نہ بھلائی جانے والی کیفیت سے سرشار ہوا جا رہا تھا۔ ہر شہر میں سالانہ تقریب کے طور پر ایسا ہی مشاعرہ ہونا چاہیے۔اس میں مقامی شعرا ہی شرکت کریں تو بھی ایک خوش گوار صورت حال دیر تک برقرار رہے گی۔

اجمل نیازی

روزنامہ پاکستان ۱۱ جون ۱۹۹۱ء

برگد کا درخت چنیوٹ کا مشاعرہ
اور لکھنؤ کی یاد

حلقہ فروغ علم وفن چنیوٹ کے زیر انتظام ۳۰ مئی کو دریائے چناب کے پہلو میں ایک محفل مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔ ''حلقہ فروغ علم وفن'' کے نام سے ایک ادبی محفل کی داغ بیل چند ماہ پہلے ڈپٹی کمشنر جھنگ محمد اطہر طاہر اور اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ ڈاکٹر محمد امجد ثاقب نے عمر حیات محل میں' جو شہر کا ایک قدیم تاریخی محل ہے اور جسے انتظامیہ نے میوزیم اور لائبریری کی شکل دے دی ہے' میں ڈالی تھی۔ محفل مشاعرہ رات دس بجے شروع ہوئی۔ اور رات ڈھلے صبح تین بجے تک جاری رہی۔ دریا کے دہانے پر اس محفل کا انعقاد اپنی منفرد حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ برگد کے درخت کے نیچے شعرا کی نشستوں کا اہتمام کچھ اس طریقہ سے کیا گیا تھا کہ اونچے چبوترے پر گدے بچھا کر اوپر تکیے لگا دیئے گئے تھے میرِ مشاعرہ کے فرائض احمد ندیم قاسمی نے سرانجام دیئے۔ جب کہ مہمان خصوصی ڈپٹی کمشنر جھنگ محمد اطہر طاہر تھے اور سٹیج سیکرٹری اجمل نیازی تھے۔ شعرأ کو بڑے اعزاز کے ساتھ ایک ایک کر کے اپنی نشستوں پر بیٹھنے کی دعوت دی گئی۔ جنھیں اے سی چنیوٹ ڈاکٹر محمد امجد ثاقب اور اے ایس پی امجد جاوید سلیمی گلاب کے پھولوں کے ہار پہناتے رہے۔ مقام مشاعرہ کے آس پاس کے درختوں کو مدھم رنگ دار روشنیوں سے سجایا گیا تھا اور سٹیج پر مغلیہ دور کی طرز کا لباس پہنے دو دربان میر مشاعرہ اور مہمان خصوصی کو مورچھل جھلتے رہے۔ سٹیج کے درمیان لکھنؤ کے مشاعروں کی یاد تازہ کرنے کے لئے شمع روشن تھی۔ پریس کلب کے صدر ڈاکٹر سرفراز علی نے اس پورے مشاعرے کو فلمانے کے لئے ویڈیو کا اہتمام کر رکھا تھا لیکن شہد کی مکھیوں نے انہیں یہ خواہش پوری کرنے کا موقع نہ دیا۔

شہید کی مکھیوں نے چند شعرا اور ویڈیو کیمرہ مین کو کاٹ کھایا۔جس سے محفل میں قدرے بدمزگی پیدا ہوگئی۔اس تقریب میں ڈی آئی جی فیصل آباد چودھری محمد یعقوب ڈپٹی کمشنر جھنگ' سب ڈویژن چنیوٹ کے تمام سرکاری افسران شہر کے کونسلروں اور معززین شہر کے علاوہ طلبا کی اکثریت نے شرکت کی۔

محفل مشاعرہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔جس کا شرف صحافی برادری کے حاجی بشیر حسین چمن کو نصیب ہوا۔تلاوت کے بعد مشاعرہ کا آغاز کیا گیا جس میں شعرا نے اپنے اپنے کلام پر داد حاصل کی۔

سرور علی چوہدری

روزنامہ امروز ۲۸ جون ۱۹۹۱ء

حلقۂ فروغِ علم وفن
چنیوٹ کا ''کل پاکستان مشاعرہ''

مشاعرہ کی روائیداد نوٹ کرنا، پھر اسے تیار کرنا اگرچہ اتنا آسان نہیں جتنا اظہار تعزیت کے لئے سطور لکھ دینا۔ البتہ جذبہ ذوق وشوق نے مشکل آسان کر دی۔

یہ مشاعرہ یادگار اور تاریخی اہمیت کا حامل بن گیا تھا۔ مگر پولیس نے گستاخ اور بے ادب شاعروں کو شاید اس لئے دعوت نہیں دی کہ سرکاری افسران کی بدنامی ہوتی! ورنہ کچھ بڑی بات نہ ہوتی! اظہار آزادی کو روکنے کا یہ بھی ایک ڈھنگ سامنے آیا۔ گویا دستور زباں بندی کا نیا شریعتی بل پیش کر کے قانون بنا دیا گیا۔ اتنا زیادہ خرچہ، اتنا انتظام، اتنا جوش ولولہ، مگر بہت سے اساتذہ شعرأ کو چھوڑ دیا گیا، اور ''کل پاکستان مشاعرہ'' کا نام دے کر سرحد، بلوچستان، سندھ کے شاعروں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ بہر حال جو ہوا بہتر ہوا۔

میر مشاعرہ جناب احمد ندیم قاسمی اور سٹیج سیکرٹری اجمل نیازی تھے۔ شعرا نے قطعات اور نظمیں دل کھول کر پڑھیں اور خوب داد پائی۔

رپورٹ: ع غ سوئل

روزنامہ مساوات ۲۷ جون ۱۹۹۱ء

A Tradition˜

Lately the tradition of mushaira seems to have been revived on a sound footing. Enthusiasts of poetry have gradually moved it to relatively small urban centres with literary-cum-cultural background. Chiniot being one such center, the local *Halqa Farogh-e-Ilmo Fun* held a *mushaira* at the western bank of the River Chenab. The credit of organising the function successfully goes to Dr. Amjad Saqib, Amjad Javad Salimi and Aslam Shankar. It was a beautiful scene with the river meandering across its rhythmic flow to the rhythm and harmony of the verse being recited at the largely attended function. Amjad Saqib's opening speech on the occasion was a piece of eloquence demonstrating clarity of expression and a worthwhile literary as well as cultural awareness. Presided over by Muhammad Athar Tahir, Ajmal Niazi impressed with his comparing.

Afsar Sajid

The Nation

June 11, 1991

خطبہ استقبالیہ

جھلکیاں

خطبہ استقبالیہ

حلقہ فروغ علم وفن اور اہالیان چنیوٹ کی جانب سے میں شعرائے کرام اور معزز مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ دریائے چناب کی خاموشی اور پرسکون موجیں' چاند کی دل نواز روشنی سراپا مسرت اور سپاس گزار ہے کہ آج سبزہ زار میں اتنی عظیم المرتبت شخصیات جمع ہیں۔

معزز مہمانان گرامی! چنیوٹ ایک قدیم تاریخی' تہذیبی اور ثقافتی ورثے کا حامل شہر ہے۔ زمانہ قبل از مسیح سے آباد اس شہر نے تاریخ اور تہذیب کے کتنے ہی قافلوں کو گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس شہر کے درودیوار سے کتنی ہی تاریخی اور رومانی داستانیں وابستہ ہیں۔ تاریخی پس منظر کے علاوہ اس شہر کی شناخت کی اور بھی کئی جہتیں ہیں' تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں نہایت قدر آور شخصیات نے جنم لیا ہے جنہوں نے امور سلطنت' سیاست' سپاہ گری' علم وحکمت اور دانش وتدبر میں ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ مغل شہنشاہ شاہ جہان کے دور میں برصغیر کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان اور پنجاب کے گورنر نواب وزیر خان اسی مٹی کے پروردہ تھے۔ یہاں کے مکین اپنی ذہانت اور خدا داد صلاحیتوں کی بدولت کاروباری میدان میں بھی معتبر نام رکھتے ہیں۔ اور اس سے اہم خصوصیت یہاں کے فن کاروں اور کاری گروں کے سینوں میں پوشیدہ وہ فن ہے جسے منبت کاری کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے' جس کے شاہ کار ہمارے معزز مہمانوں نے عمر حیات محل میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ الغرض یہ بستی تہذیب وفن کے چراغوں سے مزین ہے۔ انہی چراغوں کے تحفظ کے لئے یہاں کے کچھ اہل علم اور اہل درد افراد نے حلقۂ فروغ علم وفن کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا ہے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام کئی ایک تقریبات منعقد کی گئیں۔ لیکن یہ تقریب سب سے خوب

صورت اور منفرد تقریب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چنیوٹ کی علمی و ادبی تاریخ میں آج کی یہ محفل سخن ایک سنگ میل ثابت ہوگی اور یہاں ایک ایسی روایت جنم لے گی جس کو دھرانے کے لئے چناب کی بے قرار موجیں اور یہ دل نواز چاندنی ہر سال منتظر رہا کرے گی۔

معزز مہمانان گرامی! کہتے ہیں کہ برگد کے یہ بوڑھے درخت جن کے زیر سایہ اس نشست کا اہتمام کیا گیا ہے، کسی زمانہ میں بدھ مت کے پیروکاروں کی درس گاہ ہوا کرتی تھی۔ مہاتما بدھ کو ماننے والے اس کی تعلیمات کی روشنی میں یہاں بیٹھ کر حقیقت کا سراغ لگاتے۔ اس عہد کا دانش ور زندگی کو دکھ درد اور ابتلا کا پرتو جانتا تھا۔ خوش قسمتی سے صدیوں کا سفر طے کرنے کے بعد آج وقت اس مقام پر آن پہنچا ہے کہ ایک بار پھر یہاں صاحبان فکر و فن کا خوب صورت اجتماع ہے۔ ہمارے معزز مہمان وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگی کو کتابوں میں ہی نہیں پڑھا، بلکہ کوچہ و بازار میں ہنستے، مسکراتے، کھلتے اور مرجھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شعور ہمارے عہد کا ترجمان ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فکر ہستی کے علم بردار ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ سیکڑوں سال قبل دکھ کی کوکھ سے جس فکر نے جنم لیا تھا وہ ارتقاً کے مراحل طے کرتے ہوئے آج کس منزل پر ہے۔ اسی کے ساتھ میں معزز مہمانان گرامی، شعرأ کرام اور سامعین کا شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آج کی یہ تقریب چنیوٹ کی علمی و ادبی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی............شکریہ۔

ڈاکٹر امجد ثاقب
(اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ)

چنیوٹ میں کنارِ چناب مشاعرہ

(جب صدیاں لمحوں میں سمٹ گئیں اور لمحے صدیوں پر پھیل گئے)

چنیوٹ قدرتی مناظر سے آراستہ اور فطرت کے رنگوں اور رعنائیوں سے پیراستہ ایک خوبصورت بستی ہے۔ اس وادی نما شہر سے مغرب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر بل کھاتا ہوا دریا' سرمئی پہاڑ' جاذب نظر وادیاں' سرسبز اور سہانے کھیت' خمار آلود جھونکے اور طلوع و غروب کے مناظر' قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ ہیں۔ ''حسن بے پرواکو اپنی بے نقابی کے لئے'' شاید یہی مقام پسند ہے ....ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فطرت نے خود اس شہر کی حنا بندی کی ہے۔

اب نہیں حسن گماں' تاب یقین سے بہتر
سطح افلاک نہیں' روئے زمین سے بہتر

دریا کے کنارے یہ مشاعرہ چنیوٹ کی ایک ادبی تنظیم ''حلقہ فروغ علم و فن'' کے زیر اہتمام ہوا۔ اس تنظیم کے مقاصد یہ ہیں۔

اولاً: اس مردم خیز شہر کی تاریخی روایات' ثقافت' آرٹ اور جمالیات کو نمایاں کرنا۔

ثانیاً: جو لوگ ادب سے محبت کرتے ہیں اور علم کی تلاش میں ہر وقت بے چین رہتے ہیں ان کی صلاحیتوں کو نکھارنا۔

ثالثاً: اہل علم اور اہل قلم کا ایک کارواں مرتب کرنا جو اپنے علم اور اپنی تحقیق سے صحت مند علمی اور ادبی سرگرمیوں کا آغاز کریں جس میں مباحثے' مذاکرے' مشاعرے اور ملک کے نامور دانش وروں کے ساتھ شامیں منانے کا پروگرام ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ لوک ورثہ کی حفاظت کرنا کہ یہ ہماری تہذیبی زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔

یہ ۳۰ مئی ۱۹۹۱ء کی شام تھی جب لاہور سے شہرِ سخن کے مسافر چنیوٹ پہنچے۔ عصر کا وقت تھا جب راوی کا یہ قافلہ چناب کی سرزمین پر اترا' یوں محسوس ہوا جیسے دو دریاؤں کے دھارے آپس میں مل گئے ہوں۔ ریسٹ ہاؤس سے معزز مہمانوں کا یہ کارواں چنیوٹ کے مشہور عمر حیات محل کی طرف روانہ ہوا۔ شعراؑ نے اس محل کے فنی اور جمالیاتی پہلوؤں کو بڑے ذوق وشوق اور اشتیاق سے دیکھا۔ اور آرٹ کی رعنائیوں میں کھو گئے۔ اس کی نقاشی' مبنت کاری اور آرائش جمال بلکہ اس کے ایک ایک پھول اور ایک ایک پتی کی دل آویزی سے متاثر ہوئے۔ گویا کسی شاعر کے نگار خانے یا کسی مصور کی آرٹ گیلری میں آرٹ کے شاہ پاروں کو دیکھ رہے ہوں۔ اور جب شام کے سائے پھیل رہے تھے تو ثقافت اور جمالیات کے نادر نمونے ''جھروکہ'' کی روشنیاں دل میں اتر رہی تھیں ؎

تیرے جمال کی تابانیاں ارے توبہ
کہ شام آئے تو سینے میں روشنی آئے

مشاعرے کا اہتمام دریائے چناب کے مغربی کنارے پر واقع خوب صورت ریسٹ ہاؤس کے سبزہ زار میں تھا۔ ڈاکٹر امجد ثاقب اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ کے شوق بے پروا کو مشاعرے کے لیے یہی جگہ پسند آئی کہ ان کی آنکھیں جمالیات کے ایسے نظاروں کی تلاش میں بے چین رہتی ہیں۔

اسٹیج کو مغلیہ انداز سے سجایا گیا تھا۔ جس طرح قلعہ معلیٰ میں کوئی مشاعرہ ہو' خدام بڑے ادب سے مورچھل اٹھائے ہوئے تھے۔ جلتی بجھتی روشنیاں دلوں میں کیف و سرور پیدا کر رہی تھیں۔ میر مشاعرہ ایک ایسے شاعر تھے' جن کے چہرے پر علم کی روشنی' چمک رہی تھی ؎

جس کے چہرے پہ روشنی ہو عدمؔ
اس کو احمد ندیم کہتے ہیں

شعرا کا استقبال دریا کی لہروں، پھولوں کی خوشبو اور سامعین کے نعروں نے کیا۔

جناب ڈاکٹر امجد ثاقب اور جناب امجد جاوید سلیمی نے شعرا کے گلے میں
گلاب اور موتیے کے ہار ڈالے تو فضا گلابی گلابی ہوگئی، اوران پھولوں کی مہک سے یہ تقریب دو آتشہ ہوگئی۔ بلکہ شب ماہ تاب کی رعنائی اور دریا کی روانی میں شاعری کی خوشبو نے اسے سہہ آتشہ کر دیا۔

رنگینی فطرت سے ہر اک لمحہ زیست
فردوس کا ایک خواب ہوا جاتا ہے

اس مشاعرے کی کمپیئرنگ کے فرائض ڈاکٹر اجمل نیازی نے سرانجام دیے۔ ان کے تبصرے، دلکش جملے اور برجستہ اشعار، اس محفل سخن میں رنگ بھرتے رہے۔ وہ کبھی فطرت سے اور کبھی جذبوں سے ہم کلام ہوتے اور کبھی سامعین کے ذوق ادب کو نئے نئے اور تازہ خیالوں سے آشنا کرتے جس سے مشاعرے میں اور نکھار آ گیا۔

میں ترا حسن، تیرے حسن بیاں تک دیکھوں

جب ڈاکٹر اجمل نیازی نے ماحول کی مطابقت سے دو اشعار پڑھے تو سامعین میں دریا کی موجوں کی طرح ہل چل سی مچ گئی۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مرجاؤں گا
میں تو دریا ہوں، سمندر میں اتر جاؤں گا

دشمن بھی جو چاہے تو میری چھاؤں میں بیٹھے
میں ایک گھنا پیڑ ، سرراہ گزر ہوں

اپنے خطبہ استقبالیہ میں جب ڈاکٹر امجد ثاقب نے اس تاریخی اور ثقافتی شہر کی شناخت کا نقشہ کھینچا تو سامعین نے شعر و ادب سے بڑھ کر اس سے لطف اٹھایا۔

چناب کے کنارے ایک کشتی بھی لنگر انداز تھی۔ جو خواہشات کے طوفان اور خام آرزوؤں کے پتھروں سے محفوظ، مقصد حیات کی طرف گامزن ہونا چاہتی تھی۔ اس کشتی میں ہر شاعر کے نام پر ایک شمع جلائی گئی جو مطلع سے مقطع تک (پہلے شاعر سے لے کر آخری شاعر تک) فروزاں رہی۔ اسے دیکھ کر علامہ اقبال کی نظم "شمع اور شاعر" یاد آ گئی۔

میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا تیرا

سامعین نے جس متانت، سنجیدگی، خاموشی اور سکون کے ساتھ اس مشاعرہ کو سنا، ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہاں تک کہ عطاء الحق قاسمی نے کہا، اندھیرے میں شکلیں نظر نہیں آتیں۔ آواز تو آنی چاہیے، اور ڈاکٹر اجمل نیازی نے کہا۔ دریا خاموشی سے بہہ رہا ہے۔ سامعین دریا نہیں ہونے چاہئیں۔ ہم ان کی داد کے مستحق بھی ہیں اور منتظر بھی۔

شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں

کئی شعرا نے دریا کو موضوع بنایا جناب نجیب احمد کا تعارف، اس شعر کے خالق کی حیثیت سے کرایا گیا۔

کھنڈرا سا کوئی بچہ ہے دریا
سمندر تک اچھلتا جا رہا ہے

بوڑھا برگد اور بوڑھا شاعر............(عبیر ابوذری) جب ہم کلام ہوئے تو اداسیاں قہقہوں میں بدل گئیں۔ بابا جی کے اشعار طمانچے تھے یا قہقہے' کہتے ہیں کہ شاعر معاشرے کی ناانصافیوں اور ظلم وستم کے خلاف قلم اٹھاتا ہے اور جب تلخی بڑھ جائے تو وہ طنز کرتا ہے۔ پولیس آفیسرز بھی بابا جی کے اشعار پر قہقہے لگا رہے تھے ۔

ہر روز کسی شہر میں ہوتے ہیں دھماکے
رہتی ہے میرے دیس میں شب رات مسلسل

انور مسعود نے فضا میں رنگ نشاط کے علاوہ درد اور کرب بھی بھر دیا۔ ان کی ایک نظم سن کر چند لمحے قبل جو لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ اب ان کی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ آرٹ (شاعری) کی بے پناہ قوت' جذبات سے یوں کھیلتی ہے جیسے بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں۔ انور مسعود پہلے ایک قطعہ۔ پھر ایک نظم سناتے ہیں۔ سامعین بڑے اشتیاق سے ان کے کلام سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ ان کی نظم ''انارکلی'' نے بہت داد حاصل کی۔

نئی نسل اور نئی فکر کے شاعر جناب خالد احمد' جن کا یہ شعر ان کی پہچان ہے ۔

ترک تعلقات پہ رویا نہ تو نہ میں
لیکن یہ کیا کہ چین سے سویا نہ تو نہ میں

خالد احمد بار بار روحی کنجاہی کو چھیڑ رہے تھے کہ اس کا نام لڑکیوں جیسا ہے اور جب روحی کنجاہی کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے اپنی غزل کا مطلع خالد احمد کی نذر کیا ۔

ہم نے وہ دن بھی ہیں دیکھے تیرے
ابھی پر بھی نکلے نہیں تھے تیرے

روزنِ دیوار سے جھانکنے والا شاعر............عطأ الحق قاسمی اب سامعین کے دلوں میں جھانک رہا ہے۔ان کے کلام میں رومان اور انقلاب کی بازگشت سنائی دیتی ہے تو کسی اور قاسمی کا گمان ہوتا ہے۔

خوشبوؤں کا ایک نگر آباد ہونا چاہیے
اس نظام زر کو اب برباد ہونا چاہیے

حلقۂ فروغ علم وفن کے نوجوان شاعر پروفیسر ارشد گوہر جو عصر حاضر کے کرب سے آشنا ہیں بے پناہ داد سمیٹے ہیں۔

بجھتی نظریں، جلتی سانسیں، پیلے چہرے، نیلے ہونٹ
وقت کے شہ زادے کیا جانیں، مزدوری کیا ہوتی ہے
خود کو گم کر بیٹھا ہوں، اس ڈھلتی شام کی سرحد پر
گم نامی سے پوچھ رہا ہوں، مشہوری کیا ہوتی ہے

بشیر احمد شاد مقامی شعرأ میں سے ہیں۔آج کل انکم ٹیکس آفیسر ہیں۔کچھ لوگ ان کی شاعرانہ نواؤں سے بے خبر ہیں۔اس لئے بڑی حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔

ایک ٹوٹا تھا ایک جوڑ لیا
اس محبت کے سلسلے ہیں بہت

ڈاکٹر ریاض مجید ایک غزل عطا کرتے ہیں۔جس کا مقطع تڑپا دیتا ہے۔

یہ کس کو خبر ہے ریاض، اس کی طلب میں
معصوم ہوئے ہم، کہ گناہ گار ہوئے ہم

خیالوں اور خوابوں کو انوکھی خوشبو دینے والی شاعرہ، وجاہت اور وقار کی تصویر محترمہ یاسمین حمید تشریف لاتی ہیں۔

حامل زیست ہو خلوت مگر اتنی بھی نہیں
خود سے کی جائے محبت مگر اتنی بھی نہیں

''آفیسروں میں شاعر اور شاعروں میں آفیسر'' جناب افسر ساجد غزل سرا ہوتے ہیں۔

میں نے اس کی آنکھوں میں روشنی سی دیکھی ہے
رات کی سیاہی میں چاندنی سی دیکھی ہے

انہوں نے ایک نظم ''کشاکش'' بھی سنائی جسے بہت پسند کیا گیا۔

جھنگ کے بزرگ شاعر معین تابش ایک نعت کے پھول بارگاہِ نبوت میں پیش کرتے ہیں۔

ذکر خیر البشرؐ میں رہتا ہوں
خوشبوؤں کے نگر میں رہتا ہوں
عشق احمدؐ کا ارتقاؔ دیکھو
میں خدا کی نظر میں رہتا ہوں

ان کی غزل کا ایک شعر۔

غم کا ادراک مسلسل نہیں ہونے دیتا
مجھ کو اک شخص مکمل نہیں ہونے دیتا

جناب جعفر شیرازی بہت خوب صورت غزل کہتے ہیں۔ دریا کے کنارے، اجالوں اور دھندلکوں میں خوشیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

گر اجالوں سے گریزاں ہے دھندلکوں میں تو آ
دن بہر حال کٹا ، شام سہانی تو رہے
تیری آنکھیں تو نہ تھیں ، خشک جزیرے جعفر
یہ جو دریا ہیں تو ، دریاؤں میں پانی تو رہے

خوشبو، روشنی اور موسم کو جاوداں کرنے کے لیے، محترمہ شبنم شکیل، ترنم کے ساتھ غزل پڑھتی ہیں تو فضا بھی مسکرانے لگتی ہے۔

شوریدہ سری آنکھ کے دریا کی وہی ہے
اور ساحلِ دریا پہ بھی منظر نہیں بدلا

چناب رنگ کا شاعر، صفدر سلیم سیال، اڑتے لمحوں کا تجزیہ یوں کرتا ہے۔

وہ دھوپ بھی اچھی تھی، سفر کٹ تو رہا تھا
کیا سوچ کے ہم سایہ دیوار میں آئے

ڈرامہ نگار، کالم نگار، سفرنامہ نگار اور شاعر جناب امجد اسلام امجد کی ذہانت کے چشمے ہر جگہ ابل رہے ہیں۔ غزل کا مطلع سناتے ہیں تو سامعین میں ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل ، لوٹ کے گھر جانا ہے

جناب مظفر وارثی کی آواز سے درو دیوار بھی گوش برآواز ہو جاتے ہیں۔ ہواؤں کے جھونکے اور درختوں کے پتے بھی جھک جھک کران کا کلام سن رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنی شہرہ آفاق نعت ''میرا پیمبرؐ عظیم تر ہے'' سنائی تو شجر بھی عقیدت سے جھک گئے۔ عصر حاضر کے تناظر میں کہی گئی غزل کا ایک شعر

میں بھی بک جاؤں' اگر رسم یہ ڈالی جائے
سر تو نیلام ہو' پگڑی نہ اچھالی جائے

اس مشاعرے کے مہمان خصوصی محمد اطہر طاہر ڈپٹی کمشنر جھنگ نے جس سنجیدگی' استقلال اور ذوق سے علوم وفنون کی سرپرستی فرمائی ہے وہ اس ضلع کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی ....آپ نے فرمایا! ہم لوگ شعرأ کے سامنے' نثر میں کچھ کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اس شام کی وساطت سے' یہ ایک شاندار تقریب ہے اور یقیناً یادرہے گی۔ میں شعرأ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک چھوٹے سے شہر کو عزت بخشی ہے۔

میر مشاعرہ' جناب احمد ندیم قاسمی' ترنم کا سہارا لیے بغیر تحت اللفظ پڑھتے ہیں۔ ان کی آواز میں جادو ہے............اس عہد کے ایک نقاد نے اس آواز کو یوں سراہا ہے۔

''احمد ندیم قاسمی مشاعرہ تحت اللفظ پڑھتے ہیں۔ جس کرب سے خیال کو شعر میں ڈھالتے ہیں اسی کرب سے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ الفاظ کے پتھر ان کی داخلی رقت سے گداز ہو جاتے ہیں۔ اور یہ گداز تحت اللفظ میں شامل ہو جاتا ہے''۔

آپ نے مظفر وارثی کی نعت کے بعد غزل پڑھنے کو ایک جسارت قرار دیا۔ اور نعت ہی کے چند شعر عنایت کیے۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا
ندیاں بن کے پہاڑوں میں تو سب گھومتے ہیں
ریگزاروں میں بھی بہتا رہا دریا تیرا
پورے قد سے میں کھڑا ہوں' تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
دستگیری میری تنہائی کی ' تونے ہی تو کی
میں تو مر جاتا' اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

مشاعرے کے اختتام کا اعلان ہو چکا ہے' ٹریفک کا شوراور سائرن کی آوازیں' سناٹے کا جگر چیر رہی ہیں۔ چانداس کے باوجود دمک رہا ہے............خوشبوؤں اور روشنیوں کی یہ شام بلکہ رات' یوں مہکی تھی۔ جیسے ویرانوں میں چپکے سے بہار آ جائے ....مشاعرے کو بہت دن گزر گئے ہیں۔ لیکن لوگ ابھی تک کیف اٹھا رہے ہیں۔

بہاریں آئیں بھی اور ہوگئیں رخصت مگر اب تک
گلستاں میں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی

حسنِ کلام

ابھی تکمیل کو پہنچا نہیں ذہنوں کا گداز
ابھی دنیا کو ضرورت ہے غزل خوانوں کی

کلام

توفیق بٹ	بشیر احمد شاد
ارشد گوہر	نجیب احمد
ایوب خاور	خالد احمد
روحی کنجاہی	یاسمین حمید
ریاض مجید	عطاءُ الحق قاسمی
افسر ساجد	جعفر شیرازی
صفدر سلیم سیال	امجد اسلام امجد
شبنم شکیل	انور مسعود
معین تابش	شہزاد احمد
عبیر ابوذری	مظفر وارثی
احمد ندیم قاسمی	

توفیق بٹ

لہو جس کا ہوا ہے وہ تمنا کون دیکھے گا
جو آنکھوں میں ہے پوشیدہ وہ جلوہ کون دیکھے گا
یہ بستی تو وفا نا آشنا لوگوں کی بستی ہے
تری آنکھوں سے میرے دل کی دنیا کون دیکھے گا
میں تیرے شہر سے یہ سوچ کر واپس نہیں جاتا
مری خاطر جو کھلتا ہے دریچہ کون دیکھے گا
دلوں میں وسوسوں کی فصل کب تک لہلہائے گی
پڑا ہے جونگاہوں پر وہ پردہ کون دیکھے گا
وہ رخصت ہوگیا توفیق غم کی آگہی لے کر
کھلی آنکھوں سے اب موسم کا چہرہ کون دیکھے گا

O

بشیر احمد شاد

ان کی جانب سے غم ملے ہیں بہت
پھر بھی ہم سے انھیں گلے ہیں بہت!
آگ برسی ہے جب بھی شہروں پہ
ہم غریبوں کے گھر جلے ہیں بہت
موت کو بھی گلے لگاتے ہیں
مرنے والوں کے حوصلے ہیں بہت
سنگ باری میں غیر بھی تھے مگر
زخم اپنوں سے ہی ملے ہیں بہت
ایک مدت سے ملنے والوں میں
آج سوچا تو فاصلے ہیں بہت
ایک ٹوٹا تھا ایک جوڑ لیا
اس محبت کے سلسلے ہیں بہت
تیری یادوں کے گلستانوں میں
میرے زخموں کے گل کھلے ہیں بہت

O

ارشد گوھر

قصہَ غم کی بات باقی ہے
آنسوؤں کی برات باقی ہے
آہی نکلے گا بت شکن کوئی
دل کا اک سومنات باقی ہے
وصل کی شب کے قیمتی لمحو!
رک بھی جاؤ کہ رات باقی ہے
دیر وکعبہ کی داستاں مت چھیڑ
بس فریبِ حیات باقی ہے
اس چمن میں بہار ٹھہری تھی
کہہ رہا ہے جو پات باقی ہے
خون کا رنگ اڑ چکا گوھؔر
صرف احساس ذات باقی ہے

O

نجیب احمد

کچھ اس کے سوا خواہشِ سادہ نہیں رکھتے
ہم تجھ سے بچھڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے
قائم بھرم اپنا ہے اسیری سے وگرنہ
ہم طاقتِ پرواز زیادہ نہیں رکھتے

O

جتنی شمعیں بجھ گئیں ان کو بجھا رہنے دیا
کنجِ لب میں اک چراغ التجا رہنے دیا
جا بجا اک سر جھکانا کب مناسب تھا نجیبؔ
ایک محرابِ تغافل میں پڑا رہنے دیا

O

لپٹ کر ہڈیوں سے رو رہے ہیں
دل وجاں آج بے گھر ہو رہے ہیں
نہ جانے کن رتوں کی پتیوں پر
نمو کے سبز جھونکے سو رہے ہیں

O

بھڑکتے آہوؤں کی رو ہیں لہریں
سمندر صبحِ صحرا ہو رہے ہیں

O

سرِ بازار تم ماتم بجاں ہو
پسِ دیوار قاتل رو رہے ہیں
پرائے پھول شاخوں میں پروکر
ہم اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں
دریچے ، پتلیاں ، پلکیں ، سلاخیں
بدن دیوار زنداں ہو رہے ہیں

O

ایوب خاور

کیا جانیے کیا ہوا ہے مجھ میں
اک باغ سا کھل رہا ہے مجھ میں
اِک لمسِ نظر کی لے پہ خاورؔ
اِک شخص سخن سرا ہے مجھ میں

O

خالد احمد

عمر بھر اِک الاؤ سا جلتا رہا
عشق بھی ایک قصہ تھا چلتا رہا
زندگی اِک کٹاؤ کی زد میں رہی
دل کا دریا فقط رخ بدلتا رہا
ناچتی کشتیاں تہہ نشیں ہو گئیں
موج در موج پانی اچھلتا رہا
ایک خالی جگہ مجھ کو پُر کرنا تھی
نجمِ غم تھا سو میں بھی نکلتا رہا

O

خاک پر خاک کی ڈھیریاں رہ گئیں
آدمی اٹھ گئے نیکیاں رہ گئیں
کس کی تعلیم کا آخری سال تھا
چوڑیاں بک گئیں بالیاں رہ گئیں
عشق اک روپ تھا حسن کی دھوپ کا
یاد کیوں دھوپ کی سختیاں رہ گئیں
خون میں گھل گئیں سانولی قربتیں

تن میں تپتی ہوئی ہڈیاں رہ گئیں
درد انگور کی بیل تھے پھل گئے
غم کشوں کے لیے تلخیاں رہ گئیں
عرصہ خست میں قسمت عشق میں
حکمت آمیز پسپائیاں رہ گئیں
قمقموں کی طرح قہقہے جل بجھے
میز پر چائے کی پیالیاں رہ گئیں
حسن کے ہاتھ سے آئینہ گر پڑا
فرش پندار پر کرچیاں رہ گئیں
ہم نے کاغذ کو بھی آئینہ کر دیا
لیکن اپنی سیاہ بختیاں رہ گئیں

O

روحی کنجاہی

ہم نے وہ دن بھی ہیں دیکھے تیرے
ابھی پر نکلے نہیں تھے تیرے
کر دیا تجھ سے بھی آگے تجھ کو
ہم نے مضمون وہ باندھے تیرے
بھولنے لگتا ہوں جب بھی تجھ کو
یاد آجاتے ہیں وعدے تیرے
ہوگیا خود بھی وہ کوئی سپنا
جس نے بھی دیکھے ہیں سپنے تیرے
تیرا ہر جرم ہی چھپ جاتا ہے
کس قدر ہاتھ ہیں لمبے تیرے
اب گلہ کرتا ہے کس سے کس کا
وہ تو سب لوگ تھے اپنے تیرے

O

ایک رائی میں پہاڑوں کے سے امکان ملے
ایک ذرے میں بھی پنہاں کئی طوفان ملے
ایک دیوار کے پیچھے کئی دیواریں ہیں
ایک انسان کے اندر کئی انسان ملے

غضب ہونے ہی نہیں دیتا کوئی اپنے حقوق
کتنی مشکل میں نئے دور کے سلطان ملے
بڑے لوگوں میں بھی ہیں لوگ بڑے ہی چھوٹے
چھوٹے لوگوں میں بھی کتنے بڑے انسان ملے
تیری اک بات سے نکلی ہیں ہزاروں باتیں
تیری اِک چپ میں بھی صد حشر کے سامان ملے
ہم تو زندہ ہیں محبت کی بقا کی خاطر
خودکشی کے تو ہر اِک گام پر سامان ملے
کم کسی سے بھی نہیں اپنے وسائل روحی
رہنما ہی ہمیں نالائق ونادان ملے

O

یاسمین حمید

حاصل زیست ہو خلوت مگر اتنی بھی نہیں
خود سے کی جائے محبت مگر اتنی بھی نہیں
رزم احساس سے مہرہ ہی ہٹا دوں اس کا
ہے مجھے اس سے شکایت مگر اتنی بھی نہیں
اک دیا بھی وہ مرے نام پہ روشن نہ کرے
ہے اسے رات سے نسبت مگر اتنی بھی نہیں
کیا ہوا خشک ہوئے جاتے ہیں دریا سارے
ہے مری فصل کی قیمت مگر اتنی بھی نہیں

O

راستے کی سمت اکثر دیکھتے رہتے ہیں کیوں
خاک اپنے فیصلوں کی چھانتے رہتے ہیں کیوں
کیوں جلا رکھتے ہیں ہم اپنے تجسس کا دیا
جس کو پا لیتے ہیں اس کو ڈھونڈتے رہتے ہیں کیوں
تجربہ ہم توڑنے کا کیوں اسے کرتے نہیں
رنجشوں کے دائرے میں گھومتے رہتے ہیں کیوں
لوح ناہموار پر حرف وفا تو لکھ دیا
اس کی بابت اسقدر اب سوچتے رہتے ہیں کیوں

O

روح میں ارتعاش پیدا ہو
برف پگھلے پگھل کے دریا ہو
ایک دولت جسے نہ بانٹیں ہم
درد ہو اور صرف اپنا ہو
تھک کے صحرا میں بیٹھ جائیں جب
چھاؤں دینے کو اپنا سایہ ہو
دشمنی ہو تو ذات سے اپنی
اپنی ہی ذات پر بھروسہ ہو
اس کی آنکھوں میں رات اترے جب
صرف میرا چراغ جلتا ہو
کوئی گوہر شناس بھی ہو اور
گہرے پانی سے بھی نہ ڈرتا ہو
اک دریچہ ہو گھر کے آنگن میں
اور باہر کی سمت کھلتا ہو
وہ بھی میری تلاش میں نکلے
اور میری طرح اکیلا ہو

ریاض مجید

آشوب مشیت کے سزا وار ہوئے ہم
کیوں وقت سے پہلے ہی خبر دار ہوئے ہم

یوں سوچتے رہنے نے ہمیں بے عملی دی
حساس ہوئے جتنے بھی بے کار ہوئے ہم

دھول اتری نہیں سر سے ابھی پچھلے سفر کی
اور اگلے سفر کے لیے تیار ہوئے ہم

اِک قرض مروت تھا سو وہ اپنے ہی سر تھا
بھاگے ہوئے لشکر کے علم دار ہوئے ہم

کرنا پڑا بے حس بدنوں کا ہمیں ماتم
کیا قہر ہے زندوں کے عزادار ہوئے ہم

احساس خجالت نے کیا رات کا تارا
جب سو چکے سب لوگ تو بیدار ہوئے ہم

رشتہ ہے دکانوں میں سجی زیست سے اپنا
تکتے ہیں جو کب اس کے خریدار ہوئے ہم

یہ کس کو خبر ہے کہ ریاض اس کی طلب میں
معصوم ہوئے ہم کہ گناہ گار ہوئے ہم

O

عطاءالحق قاسمی

ہم مسافر کہاں منزل کی خبر مانگتے ہیں
ہم تو رستوں سے فقط اذنِ سفر مانگتے ہیں
کام کو چھوڑ کے ہم نام کے پیچھے ہیں عطا
وہ شجر بوئے نہیں جن کے ثمر مانگتے ہیں

O

یہ چتائیں اے زمانے ! کس لیے ہیں
رو گ یہ اتنے پرانے کس لیے ہیں
تیرے بچے مر رہے ہیں بھوک سے کیوں
اے زمیں تیرے خزانے کس لیے ہیں

O

خوشبوؤں کا اک نگر آباد ہونا چاہیے
اس نظام زر کو اب برباد ہو نا چاہیے
ان اندھیروں میں بھی منزل تک پہنچ سکتے ہیں ہم
جگنوؤں کو راستہ تو یاد ہونا چاہیے
خواہشوں کو خوب صورت شکل دینے کے لیے
خواہشوں کی قید سے آزاد ہونا چاہیے
ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ وبازار میں
عدل کو بھی صاحب اولاد ہونا چاہیے

O

گھر کو جانے والے رستے اچھے لگتے ہیں
جیسے دل کو درد پرانے اچھے لگتے ہیں
تم جو نہیں ہو راتیں لمبی ہوتی جاتی ہیں
آ بھی جاؤ ساتھ تمھارے اچھے لگتے ہیں
آ بھی جاؤ ماں نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا
آ بھی جاؤ ماں کو بیٹے اچھے لگتے ہیں
پھول نگر میں رہنے والو ! آ کر دیکھو تو
اپنے گھر کے کانٹے کتنے اچھے لگتے ہیں
ولیم ، پیٹر، ڈکسن، تھامس ہیری سے کیا لینا
ہمیں تو اپنے ماجھے گامے اچھے لگتے ہیں

O

افسر ساجد

میں نے اس کی آنکھوں میں روشنی سی دیکھی ہے
رات کی سیاہی میں چاندنی سی دیکھی ہے
دردِ دل کا حاصل کیا اِک طویل بے خوابی
آگہی کے پردے میں بے خودی سی دیکھی ہے
آسماں سے کیاشکوہ کارواں کے لٹنے کا
دشت کے لبوں پر بھی خامشی سی دیکھی ہے
واقعہ نہ ہو سر زد اس کو بھول جانے کا
درد میں بھی اب ہم نے اک کمی سی دیکھی ہے
تم سے کیا ہوا ساجد بے خود ی کے عالم میں
غم کی پاسداری میں براہمی سی دیکھی ہے

O

جعفر شیرازی

آنکھ میں حسن تو ہو دل میں جوانی تو رہے
زندگانی ترے ہونے کی نشانی تو رہے
اس کی خاطر تو گوارہ کوئی بن باس بھی ہے
ساری دنیا میں مری رام کہانی تو رہے
ضبط میں یہ بھی ہے گویائی کا اپنا انداز
لب ہوں خاموش مگر اشک فشانی تو رہے
گر اجالوں سے گریزاں ہے دھندلکوں میں تو آ
دن بہر طور کٹا شام سہانی تو رہے
تو نہ شیریں نہ میں فرہاد مگر یوں تو ملیں
ہم رہیں یا نہ رہیں اپنی کہانی تو رہے
تیری آنکھیں تو نہ تھیں خشک جزیرے جعفر
یہ جو دریا ہیں تو دریاؤں میں پانی تو رہے

O

صفدر سلیم سیال

یہ اور ستم حبسِ دکاں دار میں آئے
ہم اس پہ پشیماں ہیں کہ بازار میں آئے
یوں آتی ہے اب دل میں تری یاد کہ جیسے
زنجیر کسی دست عزا دار میں آئے
وہ دھوپ بھی اچھی تھی سفر کٹ تو رہا تھا
کیا سوچ کے ہم سایہ دیوار میں آئے

O

رستوں پہ نہ بیٹھو کہ ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے پیاروں کی صدا تنگ کرے گی
اعصاب پہ پہرے نہ بٹھا صبح سفر ہے
ٹوٹے گا بدن اور قبا تنگ کرے گی
مٹ ٹوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو ایک ایک ادا تنگ کرے گی
پر حبس شبوں میں ابھی نیندیں نہیں اتریں
نیند آئی تو پھر باد صبا تنگ کرے گی

کیوں جوڑتے ہو رشتہ جاں ابر رواں سے
یہ پیاس کا موسم ہے گھٹا تنگ کرے گی
خود سر ہے اگر وہ تو مراسم نہ بڑھاؤ
خود دار اگر ہو تو انا تنگ کرے گی

O

امجد اسلام امجد

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

O

کہاں آ کے رکنے تھے راستے کہاں موڑ تھا اسے بھول جا
وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ جو نہیں ملا اسے بھو ل جا
وہ ترے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پہ برس گئیں
دل بے خبر مری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا

O

کسی کی آنکھ میں خود کو تلاش کرنا ہے
پھر اس کے بعد ہمیں آئینوں سے ڈرنا ہے
جو زندگی تھی مری جان تیرے ساتھ گئی
بس اب تو عمر کے نقشے میں وقت بھر نا ہے
سحر ہوئی تو ستاروں نے موند لیں آنکھیں
وہ کیا کریں کہ جنھیں انتظار کرنا ہے

O

ذراسی بات (نظم)

زندگی کے میلے میں
خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں
اس قدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے
وقت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے
سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی
ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر بھر کی ہے
عمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں
درد کے سمندر میں
ان گنت جزیرے ہیں

بے شمار موتی ہیں

آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا

بات اس دیے کی ہے

بات اس گلے کی ہے

جو لہو کی خلوت میں

چور بن کے آتا ہے

لفظ کی فصیلوں پر

ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے

زندگی سے لمبی ہے

بات رت جگے کی ہے

راستے میں کیسے ہو

بات تخلیے کی ہے

تخلیے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے

پیار کرنے والوں کو اک نگاہ کافی ہے

ہو سکے تو سن جاؤ ایک دن اکیلے میں

زندگی کے میلے میں

خواہشوں کے ریلے میں

تم سے کیا کہیں جاناں

اس قدر جھمیلے میں

شبنم شکیل

موسم کئی بدلے ہیں مقدر نہیں بدلا
ویسا ہی شکستہ ہے مرا گھر نہیں بدلا
شوریدہ سری آنکھ کے دریا کی وہی ہے
اور ساحل دریا پہ بھی منظر نہیں بدلا
اس سے بھی میرے شوق تنوع کو گلہ ہے
ہم زاد تھا میرا تو وہ کیوں کر نہیں بدلا
گردش تو بہت میں نے زمانے کی سہی ہے
پر اس سے مری سوچ کا محور نہیں بدلا

O

بسے ہوئے تو ہیں لیکن دلیل کوئی نہیں
کچھ ایسے شہر ہیں جن کی فصیل کوئی نہیں
کسی سے کس طرح انصاف مانگنے جاؤں
عدالتیں تو بہت ہیں عدیل کوئی نہیں
ہے دشت غم کا سفر اور مجھے خبر بھی ہے
کہ راستے میں یہاں سنگِ میل کو ئی نہیں
مری شناخت الگ ہے تری شناخت الگ
یہ زعم دونوں کو میرا مثیل کوئی نہیں!

سبھی کے ہاتھوں پہ لکھا ہے ان کا نام ونسب
قبیل دار ہیں سب بے قبیل کوئی نہیں
گدا گری کا یہ کشکول توڑ ڈالیں گے
یہ جان کر بھی کہ اپنا کفیل کو ئی نہیں

O

بجھنے کو ہے یہ شمع مگر لو تو دیکھئے
آنکھوں میں خواہشات کا پر تو تو دیکھئے
وہ خواب تھا کہ وہم تھا اس پر نہ جایئے
اس کے لیے ہماری تگ ودو تو دیکھیے
بہکی تو فاصلوں کو حسیں تر بنا گئی
میرے تخیلات کی اِک رو تو دیکھئے
تاز ہ ہوا ہر ایک گل زخم پھر سے آج
ہم پر نواز شات غم نو تو دیکھئے

O

انور مسعود

کوئی مک مکا اب تو ممکن نہیں ہے
بہت کچھ میری جان کرنا پڑے گا
ملوث ہوئی ہے پولیس شاعری میں
پولیس کا بھی چالان کرنا پڑیگا

O

میں نے کہا کہ آپ نے روک لیا ہے کیوں ہمیں
اس نے کہا تم ایسی بات اپنی زباں پہ لائے کیوں
تم تو ہو صرف آدمی ہم ہیں پولیس کے آدمی
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی گزر کے جائے کیوں

O

آپ بے جرم یقیناً ہیں مگر یہ فدوی
آج اس کام پہ مامور بھی مجبور بھی ہے
عید کا روز ہے کچھ آپ کو دینا ہوگا
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

O

گزرا ہوں اس گلی سے تو پھر یاد آ گیا
اس کا وہ التفات عجب التفات تھا
رنگین ہوگیا تھا بہت ہی معاملہ
پھینکا جب اس نے پھول تو گملا بھی ساتھ تھا

O

لوگ تو رہتے ہیں ہر لمحے ٹوہ میں ایسی باتوں کی
پیار محبت کے ہیں دشمن دل کے ایسے کالے ہیں
دیکھئے کچھ محتاط ہی رہیے اس جاسوس زمانے سے
میں بھی بچوں والی ہوں اور آپ بھی بچوں والے ہیں

O

کہن دے زلفاں دا قصہ کہن دے
بہن دے کجھ دیر چھاویں بہن دے
کجھ نہ کجھ پردہ وی ہٹی والیا
رہن دے مومی لفافہ رہن دے
جھٹ دا جھٹ بہناں دراڈے جاوناں
بہن دے سانوں وی لاگے بہن دے
توں جے خوشبو واں دے پینڈے پے گیاں
کھیہن دے کنڈیاں نوں راہیا کھیہن دے
دل تے ہتھوں جاوناں سی ٹرگیا !
رہن دے انور دلیلاں رہن دے

O

معین تابش

ذکر خیر البشرؐ میں رہتا ہوں
خوشبوؤں کے نگر میں رہتا ہوں
عشق احمدؐ کا ارتقاء دیکھو
میں خدا کی نظر میں رہتا ہوں

O

غم کا ادراک مسلسل نہیں ہونے دیتا
مجھ کو اک شخص مکمل نہیں ہونے دیتا
ہے کرم ابر کرم کا جو مری پلکوں کو
یوں برستا ہے کہ بوجھل نہیں ہونے دیتا
اختصار اب تو مرے دل کو پسند ہے اتنا
ذکر اپنا بھی مفصل نہیں ہونے دیتا
فکر لاحق ہے اسے اپنی بقا کا کتنا
میرا سایہ مجھے اوجھل نہیں ہونے دیتا
میری نظروں نے لکھے ہیں جو خلاؤں میں سوال
ممتحن ہے کہ انہیں حل نہیں ہونے دیتا
جب ابھرتا ہے کوئی روپ کا سورج تابش
سرنگوں سوچ کا آنچل نہیں ہونے دیتا

O

خواب ادھورے رہ جائیں تو دوش کسی کو کیا دینا
لمحوں کی تاثیر یہی ہے تصویریں دھندلا دینا
اس نگری میں روشنیوں کی قیمت ہے، اندھیروں سے
صبح کا سورج کرنیں لے کر آئے تو سمجھا دینا
اس سے پہلے ہم سب کو آزار لگے خاموشی کا
چپ کی آگ میں جلنے کے آداب ہمیں سکھلا دینا
آس کے جلتے بجھتے لمحو بھیگی بھیگی سرد ہوا
اس کے جسم کی خوشبو لے کر آئے تو لوٹا دینا
جن کے باعث اس دھرتی کو برکھا کی مہکار ملی
میرے نام کے پھول ہیں جتنے سب ان پر برسا دینا
تابش اب تک دیکھ نہ پائے جس کو جاگتی آنکھوں سے
اس کے روپ کی کرنیں لے کر خوابوں میں بکھرا دینا

O

شہزاد احمد

شہر کا شہر اگر آئے بھی سمجھانے کو
اس سے کیا فرق پڑے گا ترے دیوانے کو
زندگی بھر میں کوئی شے تو مکمل کر لیں
آؤ لبریز کریں صبر کے پیمانے کو

O

شعور ذات نے یہ رسم بھی نباہی تھی
اسی کو قتل کیا جس نے خیر چاہی تھی
وہ جس کو آنکھ کا سرمہ بنا لیا ہم نے
ہمارے نامہ اعمال کی سیاہی تھی
تمھیں بتاؤ کہ میں اپنے حق میں کیا کہتا
مرے خلاف بھرے شہر کی گواہی تھی
ترے ہی لشکریوں نے اسے اجاڑ دیا
وہ سر زمیں کہ جہاں تیری بادشاہی تھی
کئی چراغ نہاں تھے چراغ کے پیچھے
جسے نگاہ سمجھتے ہو کم نگاہی تھی
ذرا سی دیر میں منظر بدل گیا اتنا
نہ کج کلاہ تھے باقی نہ کج کلاہی تھی

ترا کرم ہے کہ تو نے مجھے عطا کر دی
وہ زندگی جو کسی اور نے نہ چاہی تھی
ہمیں تو پل کی بھی فرصت نہیں ملی شہزاد
عذاب شب تھا کبھی آہ صبح گاہی تھی

O

باباعبیرابوذری

بہت دبلی بہت پتلی حیاتی ہو تی جاتی ہے
چپاتی رفتہ رفتہ کاغذاتی ہوتی جاتی ہے
ہمارے گال بھی پچکے ہوئے امرود جیسے ہیں
اور ان کی ناک ہے کہ ناشپاتی ہوتی جاتی ہے
بجٹ اس کا خسارے کا اور اپنا بھی خسارے میں
حکومت بھی ہماری ہم جماتی ہوتی جاتی ہے
لڑائی ہو کہ جھگڑا ہو جہاں میں جو بھی ہوتا ہے
مسلسل مسلمانوں کی نکاتی ہوتی جاتی ہے
ہمارے درمیاں تشریف فرما لاٹ صاحب ہیں
تبھی تو آج اپنی چوڑی چھاتی ہوتی جاتی ہے
حکومت مل گئی ہے دیس کی جب پارساؤں کو
تو اپنی قوم پھر کیوں وار داتی ہوتی جاتی ہے
وہ لندن میں مکیں ہیں اور میں ہوں پیچھے وطنی میں
ہماری دوستی قلمی دواتی ہوتی جاتی ہے

O

پولیس نوں آکھاں رشوت خورتے فیدہ کیہہ
پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کیہہ
جھاڑو نال بناون مور تے فیدہ کیہہ
بوتھی ہو جائے ہو روی ہورتے فیدہ کیہہ
کولوں پان بناون چورتے فیدہ کیہہ
پھڑ کے اندر دین گھسوڑتے فیدہ کیہہ

اک سونوں وچ پھڑ دے آتے پھڑدے رہن
ست اکو نجا جڑدے آتے جڑدے رہن
خلق دے پلے جھڑدے آتے جھڑدے رہن
دیکھن والے سڑدے آتے سڑ دے رہن
میں جے چیکاں پانواں شورتے فیدہ کیہہ
پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کہیہ

بساں لٹیاں جاندیاں نیں تے صبر شکر
سنگیاں گھٹیاں جاندیاں نیں تے صبر شکر
عزتاں لٹیاں جاندیاں نیں تے صبر شکر
گتاں پٹیاں جاندیاں نیں تے صبر شکر
جے میں آکھ دیاں کجھ ہورتے فیدہ کیہہ
پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کہیہ

کلی پولیس دے وچ ای رشوت خوری نئیں
کیہڑا شعبہ اے جتھے ایہہ کمزوری نئیں
کیہڑے مال گودامے ہندی چوری نئیں
کیہڑے امبر سروچ گند دی موری نئیں
افسر جے نہ ورتن زورتے فید کیہہ
پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کیہہ

O

رویا ہوں تیری یاد میں دن رات مسلسل
ایسے کبھی ہوتی نہیں برسات مسلسل
آتا جو لگا جاتا ہے دو چار طمانچے
سنتا ہی نہیں کوئی میری بات مسلسل
کانٹے کی طرح ہوں میں رقیبوں کی نظر میں
رہتے ہیں مری گھات میں چھ سات مسلسل
چہرے کو نئے ڈھب سے سجاتے ہیں وہ ہر روز
بنتے ہیں مری موت کے آلات مسلسل
اجلاس کا عنوان ہے اخلاص ومروت
بد خواہی میں مصروف ہیں احباب مسلسل
ہم نے تو کوئی چیز بھی ایجاد نہیں کی
آتے ہیں‌نظر ان کے کمالات مسلسل
ملاؤں نے اسلام کے ٹکڑات کیے ہیں
مسلات سے پھیلاتے ہیں نفرات مسلسل

ہر روز کسی شہر میں ہوتے ہیں دھماکے
رہتی ہے میرے دیس میں شب رات مسلسل

ہر روز وہ ملتے ہیں نئے روپ میں مجھ کو
پڑتے ہیں مری صحت پہ اثرات مسلسل
امراء کے موافق ہے فضا دیس مرے کی
کٹتے ہیں جہاں عیش میں لمحات مسلسل

O

مظفر وارثی

میں بھی بک جاؤں اگر رسم یہ ڈالی جائے
سر تو نیلام ہو پگڑی نہ اچھالی جائے
ہونٹ سی کر مرے فرمان کیا ہے جاری
اس سخن ور کی کوئی بات نہ ٹالی جائے

O

درودیوار پر اپنی ہی کچھ پرچھائیاں رکھ لو
چراغ ہجرہوں مجھ کو بھی اپنے درمیاں رکھ لو
زمانے بھر کی رونق اپنے دروزے پہ لے آؤں
تم اپنے پاس گر کچھ دن مری تنہائیاں رکھ لو
سفر پر جانے والو راہ میں مقتل بھی آئیں گے
تو عزت اس میں ہے کاندھوں پہ خود ہی سولیاں رکھ لو
افاقہ اس سے اندر کی گھٹن میں تو نہیں ہوگا
مظفر گھر میں کتنے ہی دریچے کھڑکیاں رکھ لو

O

بیڑیوں تک پاؤں ، سر تلوار تک لایا گیا
کتنی عزت سے مجھے دربار تک لایا گیا
شہر روشن میرے اندر کے اجالوں سے ہوئے
مجھ کو سائے کی طرح دیوار تک لایا گیا
قتل کرنے کے لیے میری حفاظت کی گئی
تختۂ گل پر بٹھا کر دار تک لایا گیا
لاش سے میری لیا پہلے بیان خود کشی
پھر میرا خوں سرخی اخبار تک لایا گیا
موت کے ہاتھوں مظفر زندگی مجھ کو ملی
آخری خواہش پہ کوئے یار تک لایا گیا

O

نعت

میرا پیمبر عظیم تر ہے
کمال اخلاق ذات اسی کی
جمال ہستی حیات اسی کی
بشر نہیں عظمتِ بشر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے

وہ شرح احکام حق کا آلہ
وہ خود ہی قانون خودحوالہ
وہ خود ہی قرآن خود ہی قاری
وہ آپ مہ تاب آپ ہالہ

وہ عکس بھی اور آئینہ بھی
وہ نقطہ بھی خط بھی دائرہ بھی
وہ خود نظارہ ہے خود نظر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے

O

احمد ندیم قاسمی

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

دست گیری مری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

O

میں کہ بے وقعت و بے مایہ ہوں
تیری محفل میں چلا آیا ہوں
آج ہوں میں تیرا دہلیز نشیں
آج میں عرش کا ہم پایہ ہوں
چند پل یوں تری قربت میں کٹے
جیسے اک عمر گزار آیا ہوں
جب بھی میں ارضِ مدینہ پہ چلا
دل ہی دل میں بہت اترایا ہوں
تیرا پیکر ہے کہ اِک ہالۂ نُور
جالیوں سے تجھے دیکھ آیا ہوں
کتنی پیاری ہے ترے شہر کی دھوپ
خود کو اکسیر بنا لایا ہوں
یہ کہیں خامیٔ ایماں ہی نہ ہو
میں مدینے سے پلٹ آیا ہوں

O

حاصل مشاعرہ

اس مشاعرہ کے انتظام وانصرام کے بارے میں اپنی زبان سے کچھ کہنا شاید مناسب نہ ہو کہ دیکھنے والوں نے جو کہا وہ اس کی تصویر کشی کے لیے کافی ہے۔ محض اتنا اضافہ مقصود ہے کہ یہ مشاعرہ ماضی کی بازیافت سے عبارت تھا۔ تنقید وتحسین، نشست وبرخاست اور انداز وسلیقہ میں اسی شائستگی اور تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی جو مشاعرے کی روایت کی اصل بنیاد ہے۔

وہ لوگ کہاں کھو گئے جنھوں نے سخن کی شمع روشن کی اور پھر اظہار کا سلیقہ سکھایا۔ چاندنی رات کے حسن اور لہروں کے ترنم میں گھل کر شعر وسخن کی اس محفل نے ماضی کے کتنے ہی نقوش تازہ کر دیئے۔ مشاعرے کی روداد اور کلام کا انتخاب تو پچھلے اوراق میں رقم ہے لیکن اس نشست کا اصل اعجاز اور حاصل یہ تھا کہ جب رات کے خاتمہ پر نورِ سحر نے دستک دی تو جناب احمد ندیم قاسمی اور مظفر وارثی کے کلام کے طفیل یہ محفل شعر وسخن، محفل نعت میں ڈھل گئی۔ گویا خدا کے پاک نام سے شروع ہونے والی محفل اس کے رسولؐ کے ذکر تک پہنچی اور احمد ندیم قاسمی کے نعتیہ اشعار اس محفل کا اختتام بن گئے۔ رات کی آخری گھڑی میں عقیدت کے اس اظہار نے عجب سماں باندھ دیا۔ ہر طرف کیف وسرور اور عجز ونیاز کی ایک کیفیت سی بکھر گئی۔ قبولیت کے ان لمحوں میں بساطِ آرزو بچھنے لگی اور سیکڑوں سامعین نے دستِ دعا دراز کر دیئے۔ ادھر دعائیہ کلمات درِ قبولیت پر پہنچے۔ ادھر محفل کے خاتمے کا اعلان ہوا۔ لوگ رخصت ہوئے اور رات نے آخری سانس لیے لیکن دریا میں شمعیں ابھی تک جھلملا رہی تھیں اور خدامِ ادب مورچھل لیے کھڑے تھے۔

ان کا مغلئی انداز، برگد کے بوڑھے درختوں تلے خوب صورت نشست، چاندنی کا فرش، تخیل کا سلسلہ

دراز ہوا تو دہلی مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی۔'' قاضی کے حوض پر مبارک النساء بیگم کی حویلی، میاں کریم الدین کا بسیرا، نواب زین العابدین خان عارف کا حسن انتظام اور کاملین فن کا اجتماع''، یوں محسوس ہوا کہ ذرا دور لہروں کے سفینے پہ بیٹھے مرزا فرحت اللہ بیگ یادِ رفتگاں میں کھوئے دلّی کے آخری مشاعرہ کے اختتامی کلمات دہرا رہے ہیں۔

'' آخری شعر پہ پہنچے تھے کہ برابر کی مسجد سے آواز آئی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اس کے ساتھ ہی سب کے منہ سے نکلا، تیری آواز مکے اور مدینے، اذان ختم ہوئی تو سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ دعا سے فارغ ہو کر مرزا فخرو نے کہا، صاحبو! کچھ عجیب اتفاق ہے۔ فاتحہ خیر ہی سے یہ مشاعرہ شروع ہوا تھا اور اب فاتحہ خیر پر ہی ختم ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے دونوں شمعوں کو جو چکر کھا کر ان کے سامنے آ گئی تھیں، بجھا دیا۔ شمعوں کے گل ہوتے ہی نقیبوں نے آواز دی۔ حضرات مشاعرہ ختم ہوتا ہے''۔

ہاں مشاعرہ ختم ہوتا ہے لیکن نہیں، مشاعرہ ختم نہیں ہوسکتا۔ جب تک ذوقِ شعر و سخن باقی ہے جب تک شمع اردو روشن ہے، مشاعرہ زندہ رہے گا۔ چناب کے کنارے، چنیوٹ کا یہ مشاعرہ تو ایک سنگِ میل تھا۔ ابھی بہت سے سنگِ میل اور آئیں گے۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں ذوق
ہندوستان میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ڈاکٹر امجد ثاقب

اعتراف

اس مشاعرے کے انعقاد کے سلسلہ میں امجد جاوید سلیمی اے۔ ایس۔ پی چنیوٹ کا کردار نا قابل فراموش ہے انہوں نے جس شوق سے انتظامات میں حصہ لیا وہ اہل ذوق کے دل پہ ہمیشہ نقش رہے گا۔ معظم بن ظہور، محمد اسلم شنکر اور اشفاق ناصر کی تخلیقی صلاحیتوں نے اس مشاعرے کو چار چاند لگا دیئے دراصل یہ انہی کی محنت کا ثمر ہے کہ یہ مشاعرہ اس علاقے کی ادبی تاریخ کا ایک یادگار باب بن گیا ہے۔ ان کے علاوہ چنیوٹ اور ربوہ کے شہری مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے کمال متانت کے ساتھ پانچ گھنٹے کی اس طویل ادبی نشست میں شرکت کی اور بقول عطاء الحق قاسمی اگر بہترین سامعین کی ٹرافی دینے کی روایت ہوتو یہ ٹرافی بغیر کسی تامل کے اہالیان چنیوٹ کو دی جاسکتی ہے۔ جن دیگر افسران اور معززین علاقہ نے انتظامات کو عملی شکل دی اور مالی معاونت فرمائی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

چوہدری محمد اکرم	آر ایم ربوہ	سردار زادہ ظفر عباس سید	سابق وزیر حکومتِ پنجاب
میاں محمد علی بلوچ		الحاج قاضی صفدر علی	چیئرمین بلدیہ
ملک محمد قطب اعوان	تحصیل دار چنیوٹ		چنیوٹ
جاوید بشیر	نائب تحصیل دار چنیوٹ	سید کنول عباس	چیئرمین بلدیہ ربوہ
رائے ظفر عباس	نائب تحصیل دار ربوہ	محمد یامین ارائیں	
عبدالرزاق کھوکھر	سیکرٹری بلدیہ ربوہ	رانا جمشید احمد	
ظفر اقبال	ٹریفک انچارج چنیوٹ	ڈاکٹر سرفراز علی	
محمد نواز	چیف آفیسر	شہزادہ اکبر	
	بلدیہ چنیوٹ	مشتاق احمد	